مقالات

حقوق الزوجین

(۶)

عیوب میں خیار فسخ | عیوب زوجین کے مسئلہ میں فقہاء کے درمیان بکثرت اختلافات ہوئے ہیں ایک گروہ اس طرف گیا ہے کہ عورت اور مرد کے کسی عیب کی بناء پر دوسرے فریق کو خیار فسخ نہیں ہے۔ چنانچہ درمختار میں ہے ولایتخیر احد الزوجین بعیب الاخر ولو فاحشاً کجنون و جذام و برص و رتق و قرن (یعنی میاں اور بیوی میں سے کسی کو بھی دوسرے کے کسی عیب پر فسخ نکاح کا اختیار نہیں، خواہ وہ عیب کیسا ہی سخت ہو، مثلاً جنون، جذام، برص، رتق اور قرن) صحابہ میں سے حضرت علی اور ابن مسعود اور ائمہ مجتہدین میں سے عطاء، نخعی، عمر ابن عبدالعزیز، ابن ابی لیلیٰ، اوزاعی، ثوری، ابو حنیفہ اور ابو یوسف رضی اللہ عنہم کا یہی مذہب ہے۔

دوسرا گروہ کہتا ہے کہ تمام ایسے عیوب جو مانع تعلقات زن و شوہر ہوں، ان میں عورت اور مرد دونوں کو خیار فسخ ہے، مثلاً جنون، جذام، برص، گندہ دہنی، امراض خبیثہ اور شرمگاہ کے ایسے عوارض جو مانع قربت ہوں۔ یہ امام مالک کا مذہب ہے، چنانچہ ابن جزی نے القوانین میں عیوب مذکورۂ بالا کی تفصیل بیان کرنے کے بعد تصریح کی ہے کہ اذا کان فی احد الزوجین احد العیوب کان للاٰخر الخیار فی البقاء معہ والفراق۔

امام شافعی کے نزدیک جنون، جذام اور برص میں عورت اور مرد دونوں کو خیار فسخ ہے

مگر قروح سیالہ فرج مثلاً آتشک وغیرہ، اور گندہ دہنی اور خارشت میں خیار نہیں ہے۔ البتہ اگر عورت اندام نہانی کے ایسے امراض میں مبتلا ہو جو مانع مباشرت ہوں، یا مرد عنین یا مقطوع الذکر ہو تو ایسی صورت میں فریق ثانی کو خیار فسخ ہے۔

امام محمدؒ کے نزدیک شوہر کو عورت کے کسی عیب کی بنا پر خیار فسخ نہیں ہے۔ مگر عورت کو شوہر کے جنون اور جذام اور برص میں خیار فسخ ہے۔

ان تمام مذاہب میں سے دوسرا مذہب قرآن مجید کی تعلیم سے اقرب ہے۔ قرآن کی رو سے عورت اور مرد کے ازدواجی تعلق میں دو چیزوں کو مقصدی اہمیت حاصل ہے۔ ایک تحفظ اخلاق دوسرے زوجین کی باہمی مودت ورحمت یہ دونوں مقصد ایسے عیوب میں فوت ہو جاتے ہیں جن سے زوجین طبعاً ایک دوسرے سے نفرت کرنے پر مجبور ہوں، یا ایک دوسرے کی طبیعی خواہشات کو پورا نہ کر سکتے ہوں۔ پھر جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، یہ بات اسلامی قانون ازدواج کے اصول میں سے ہے کہ ازدواجی تعلق زوجین کے لیے مضرت اور حدود اللہ سے تجاوز کا موجب نہ ہونا چاہیے۔ یہ قاعدہ بھی ان عیوب میں خیار فسخ نہ رکھنے سے ٹوٹ جاتا ہے۔ وہ تمام امراض جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے، ضرر پہونچانے والے ہیں اور ان سے اس امر کا بھی خوف ہے کہ زوجین میں سے کوئی ایک نفرت کی وجہ سے یا اپنی طبیعی خواہشات پوری نہ ہونے کی وجہ سے حدود اللہ کو توڑ دیگا۔ اس لیے ضروری ہے کہ ان تمام عیوب میں زوجین کے لیے خیار فسخ رکھا جائے۔

یہ تو اُس صورت میں ہے جبکہ نکاح سے پہلے زوجین کو ایک دوسرے کے حال کی خبر نہ ہو اور بعد میں علم ہوتے ہی اس پر ناراضامندی کا اظہار کر دیں۔ رہی یہ صورت کہ زوجین کو نکاح سے پہلے ایک دوسرے کا حال معلوم تھا اور انہوں نے جان بوجھ کر نکاح کر لیا، یا ان کو معلوم تو نہ تھا مگر بعد میں علم ہونے پر انہوں نے خیار فسخ استعمال نہ کیا، یا نکاح کے بعد عیب پیدا ہوا، تو ان تمام صورتوں میں مرد کے

پاس تو ایک چارۂ کار ایسا موجود ہے جس سے وہ ہر وقت کام لے سکتا ہے، یعنی طلاق۔ اور اس کے علاوہ دوسرا چارۂ کار بھی اس کے پاس موجود ہے یعنی دوسری شادی کر لینا مگر عورت کے لیے بعض صورتوں میں فقہاء نے کوئی چارۂ کار تجویز نہیں کیا ہے اور بعض صورتوں میں کسی نے اس کی خلاصی کی تدبیر نکالی ہے اور کسی نے نہیں نکالی۔ اس باب میں جو فتاوی ہیں۔ اُن کو ہم علحدہ علحدہ بیان کر کے ان پر بحث کریں گے

عنین و مجبوب وغیرہ اگر شوہر مجبوب (مقطوع الذکر) ہو تو اس بات پر قریب قریب سب کا اتفاق ہے کہ عورت کو تفریق کا دعویٰ کرنے کا حق ہے، اور تحقیق حال کے بعد فی الفور تفریق کرا دی جائیگی۔

اگر شوہر نامرد ہو اور عورت تفریق کا مطالبہ کرے، تو حضرت عمرؓ کے فیصلہ کی بنا پر اسے ایک سال تک علاج کی مہلت دیجائیگی اس کے بعد بھی اگر وہ قادر نہوا تو تفریق کرا دیجائیگی لیکن اسکے ساتھ فقہاء نے حسب ذیل شرطیں لگائی ہیں۔

(۱) عورت کو پہلے سے اس کے عنین کا علم نہ ہو۔ اگر اس کو علم تھا اور اس نے برضا و رغبت اس سے نکاح کیا تو اُسے تفریق کے مطالبہ کا حق نہیں۔

(۲) اگر عورت کو پہلے علم نہ تھا، مگر بعد میں علم ہونے کے بعد اس نے اس کے نکاح میں رہنے پر رضامندی کی تصریح کر دی تب بھی اس کو مطالبۂ تفریق کا حق باقی نہیں رہا۔

(۳) مرد ایک مرتبہ بھی مباشرت پر قادر نہ ہوا ہو۔ اگر اس نے ایک مرتبہ بھی مباشرت کر لی، خواہ وہ ادھوری ہی کیوں نہ ہو، تب بھی عورت تفریق کا حق نہیں رکھتی۔

ہمارے نزدیک یہ تینوں شرطیں درست نہیں ہیں۔ اگر کسی عورت نے قصداً اپنی حماقت سے کسی شخص کو عنین جانتے ہوئے اس سے نکاح کر لیا، تو اس کی یہ سزا معقول اور مناسب نہیں ہے کہ اس کو تمام عمر ایک نامرد شوہر کے ساتھ زندگی گذارنے پر مجبور کیا جائے۔ اس کے مفاسد اس قدر بین ہیں کہ بیان کی حاجت نہیں۔ ایسی نادان عورت کے لیے بس اسی قدر سزا کافی ہے کہ اس کو مہر سے محروم کر کے تفریق کرا دی جائے۔

اگر عورت کو نکاح کے بعد شوہر کے نامرد ہونے کا علم ہوا اور اس نے ابتداءً اس کے ساتھ رہنے پر اپنی رضامندی کی تصریح کردی، تو یہ کوئی ایسا قصور نہیں ہے جس کی بنا پر اس کو تمام عمر مصیبت کی زندگی گذارنے پر مجبور کیا جائے۔ ایک ناتجربہ کار دوشیزہ ابتدا میں ان فطری تکلیفوں کا اندازہ نہیں کرسکتی جو ایک عنین کی بیوی کو پیش آتی ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ وہ اپنی نیک طبعی کی بنا پر یہ خیال کرے کہ شوہر اگر عنین ہے تو کیا ہے، میں اسی طرح اس کے ساتھ زندگی بسر کرلوں گی۔ مگر بعد میں اس کو وہ ناقابل برداشت تکلیفیں پیش آئیں جن کا اسے پہلے سے خیال نہ تھا، اور وہ اپنی صحت کی خرابی یا مبتلائے معصیت ہونے کے خوف سے پریشان ہوکر تفریق کی خواہش کرے۔ کیا ایسی صورت میں یہ جائز ہوگا کہ اس کی پہلی رضامندی کو سند قرار دیکر اس کی زبان پکڑلی جائے اور اس سے کہا جائے کہ تونے ابتدا میں جو غلطی کی تھی اس کی یہی سزا ہے کہ اب تو سڑ سڑ کر مرجا، یا آبرو باختہ بن کر زندگی گذار؟ جہاں تک ہم غور کرتے ہیں، یہ بات قرآن مجید کی تعلیم کے خلاف ہے، اور اس سے ایسے نقصانات پیدا ہونے کا امکان ہے جو اس عورت کی ذات ہی تک محدود نہ ہوں گے بلکہ سوسائٹی میں پھیلیں گے اور نسلوں تک منتقل ہوں گے۔ اتنے بڑے نقصان کو گوارا کرنے سے زیادہ بہتر یہ ہے کہ ایک شخص کے نقصان کو گوارا کیا جائے دراں حالیکہ حقیقۃً تفریق میں اس کا کوئی نقصان بھی نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ اگر کوئی سزا اس غلطی کی اُس عورت کو دی جاسکتی ہے تو وہ بس یہی ہے کہ اسے کل یا جزء مہر سے محروم کردیا جائے۔

تیسری شرط بھی ہمارے خیال میں بہت سخت ہے۔ نکاح سے شریعت کا جو مقصد ہے وہ اس قسم کے ازدواجی تعلق سے ہرگز پورا نہیں ہوتا۔ اسلام کا قانون کسی آسمانی مخلوق کے لیے نہیں ہے، بلکہ عام انسانوں کے لیے ہے۔ اور عام انسانوں میں جو عورتیں پائی جاتی ہیں اُن کے لیے اگر یہ ناممکن نہیں تو غایت درجہ دشوار ضرور ہے کہ ایک یا چند مرتبہ شوہر کی صحبت سے

متمتع ہوجانا ان کے لیے کافی ہو، اور اس کے بعد مدت العمر اس سے محروم رہ کر وہ ہنسی خوشی گذار دیں اور اپنی عصمت کو ہر قسم کے خطرات سے محفوظ رکھیں۔ بالفرض اگر پچاس فی صدی عورتیں بھی اس پر قادر ہوں، تو ان بقیہ پچاس فی صدی عورتوں کا حشر ہو گا جن کے ضبط و تحمل اور پاکیزگی اخلاق کا مرتبہ اتنا بلند نہیں ہے؟ کیا ان کے مبتلائے معصیت ہونے اور سوسائٹی میں ان کی وجہ سے طرح طرح کے مفاسد پھیلنے کی ذمہ داری اُس قانون پر نہ ہو گی جس نے ان کے لیے حلال کے دروازے بند کر کے انھیں حرام کے راستوں پر چلنے کے لئے مجبور کر دیا؟ پس ہماری رائے میں عنّت کی ہر شکایت پر، خواہ وہ نکاح سے پہلے کی ہو یا بعد میں حادث ہوی ہو، عورت کو عدالت کی طرف رجوع کرنے کا حق ہونا چاہیے، اور اگر کافی علاج کے بعد جس کے لیے ایک سال کی مدت مناسب ہے، یہ شکایت دور نہ ہو تو تفریق کرا دینی چاہیے۔

فقہائے کرام نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر ایک سال تک علاج کرانے کے بعد شوہر نے ایک مرتبہ بھی مباشرت کر لی، خواہ وہ ادھوری ہی کیوں نہ ہو، تو عورت کا حق تفریق ہمیشہ کے لیے باطل ہو جائے گا۔ یہاں پھر بیجا شدت پائی جاتی ہے۔ زیادہ مناسب یہ ہے کہ اس معاملہ میں ماہرین طب کی رائے پر اعتماد کیا جائے۔ اگر علاج کے بعد بھی ماہرین کی رائے یہ ہو کہ مریض، وظیفۂ زوجیت ادا کرنے کے لیے پوری طرح اہل نہیں ہو سکا ہے تو تفریق کرا دینی چاہیے۔

فقہا نے خصّی کے لیے وہی قانون رکھا ہے جو عنین کے لیے رکھا گیا ہے، یعنی اس کو بھی علاج کے لیے ایک سال کی مہلت دی جائے گی۔ اس کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ اس کے مباشرت پر قادر ہونے کی امید کی جا سکتی ہے (کما فی الھدایہ) لیکن طبّی تحقیقات سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ اس معاملہ میں خصّی اور مجبوب کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ مرد خواہ مقطوع الذکر ہو یا مقطوع الانثیین، دونوں صورتوں میں وظیفۂ زوجیت کے لیے وہ یکساں نا اہل ہوتا ہے،

اور کوئی علاج اس کی کھوئی ہوئی اہلیت کو واپس نہیں لا سکتا۔ لہٰذا خصی اور مجبوب کے حق میں ایک ہی قانون ہونا چاہیئے۔

جنون مجنون کے بارے میں حضرت عمرؓ کا فیصلہ یہ ہے کہ اس کے علاج کے لیے ایک سال کی مدت مقرر کی جائے، اگر اس مدت میں وہ درست نہ ہو تو اس کی عورت اس سے جدا کر دی جائے فقہار نے اسی فیصلہ کو لیا ہے، اور مختلف طریقوں سے جزئیات میں اس حکم کو جاری کیا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ حکم صرف اس مجنون کے لیے ہے جو نکاح سے قبل مجنون تھا اور نکاح کے بعد ہم بستری پر قادر نہ ہوا۔ اس لحاظ سے گویا وہ عنین ہے اور اسی لیے اس کو ایک سال کی مہلت دی جاتی ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ کی رائے میں جنون اگر حادث ہو تو اس کو علاج کے لیے ایک سال کی مہلت دی جائے گی۔ اور اگر مطبق ہو تو وہ مجبوب کے حکم میں ہے۔ بلا تاجیل تفریق کرادی جائے گی۔ امام مالک رضی اللہ عنہ کے نزدیک حادث اور مطبق دونوں میں ایک سال کی مہلت بغرض علاج دی جائے گی، اور اگر اس مدت میں وہ درست نہ ہو تو تفریق کرادی جائے گی لیکن اس کے ساتھ فقہائے مالکیہ حسب ذیل شرطیں لگاتے ہیں:۔

(۱) اگر نکاح سے پہلے وہ مجنون تھا اور عورت نے جان بوجھ کر اس سے نکاح کیا تو وہ تفریق کا مطالبہ نہیں کر سکتی۔

(۲) اگر نکاح کے بعد اسے معلوم ہوا کہ وہ مجنون ہے اور اس نے بصراحت اس کے ساتھ رہنے پر رضامندی ظاہر کر دی تب بھی تفریق کا حق باقی نہ رہا

(۳) اگر جنون نکاح کے بعد پیدا ہوا ہو تو عورت صرف اس صورت میں تفریق کا مطالبہ کر سکتی ہے کہ جنون پیدا ہونے کے بعد اس نے اس کے ساتھ رہنے پر رضامندی کی تصریح نہ کی ہو۔ اور اپنے اختیار و رضامندی سے اس کو مباشرت یا دواعی مباشرت کا موقع نہ دیا ہو۔

یہ شرطیں اسی نوعیت کی ہیں جن کا ذکر عنین کے باب میں گذر چکا ہے اور ان پر بھی ہم کو وہی اعتراض ہے۔ شریعت تمدن اور اخلاق کے مقاصد ایسی صورت میں کبھی پورے نہیں ہو سکتے کہ کسی عورت کو ایک پاگل شخص کے ساتھ زبردستی باندھ رکھا جائے۔ اگر اس نے جان بوجھ کر اس سے نکاح کیا تو اس کے لیے یہ سزا کافی ہے کہ اس کو مہر سے محروم کر دیا جائے۔ اگر نکاح ہو جانے کے بعد اسے جنون کا علم ہوا اور اس نے ابتداءً اس پاگل کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا ارادہ ظاہر کر دیا لیکن بعد میں اس کے لیے روحانی و جسمانی تکلیفیں ناقابل برداشت ہو گئیں تو درحقیقت اس نے کوئی ایسا جرم ہی نہیں کیا جس کی سزا اس کو یہ دی جائے کہ تمام عمر وہ ایک پاگل کے ساتھ رنج، تکلیف اور خطرات سے بھری ہوئی زندگی گذارنے پر مجبور کی جائے۔ اگر نکاح کے بعد جنون پیدا ہوا اور ابتدائی حالت جنون میں عورت نے وفاداری اور رفاقت کے شریفانہ جذبات کی بنا پر اس کو چھوڑنا پسند نہ کیا اور حتی الامکان اس کی خدمت کی، اور سابق کا سا تعلق زن و شوہری اس کے ساتھ رکھنا گوارا کر لیا تو اس سے یہ کیوں لازم آجائے کہ جب اس کا پاگل پن اس بیچاری کے لیے ناقابل برداشت ہو چکا ہو اس وقت بھی اس کو رہائی دلانے سے انکار کر دیا جائے؟ کیا یہ قید لگانے سے قانون کا منشا یہ ہے کہ جوں ہی کسی عورت کے شوہر میں آثار جنون پیدا ہوں وہ فوراً اس کی تمام پچھلی محبتیں اور رفاقتیں فراموش کر کے اس کے ساتھ بے وفائی اختیار کر لے اور اس کو چھوڑ کر چلی جائے، اس خوف سے کہ اگر بعد میں اس جنون نے مستقل ناقابل برداشت صورت اختیار کر لی تو اس وقت کی وفاداری و رفاقت بلائے جان ثابت ہو گی اور اس کا بہت برا خمیازہ بھگتنا پڑے گا؟

اس قسم کی شرطیں عائد کرنے میں عورتوں کے ساتھ بہت سختی کی گئی ہے۔ عورت اگر بیکار ہے یا جنون میں مبتلا ہو، یا کسی نفرت انگیز یا مضرت رساں مرض میں مبتلا ہو تو مرد اسے

طلاق دے سکتا ہے۔ یا دوسری شادی کرکے اپنی زندگی خوشگوار طریقہ سے بسر کرسکتا ہے لیکن عورت ان حالات میں سے کسی حالت میں مبتلا ہو تو عورت: تو اسے طلاق دے سکتی ہے، نہ اس کی موجودگی میں دوسری شادی کرسکتی ہے۔ اس کے لیے بجز تفریق کے کوئی چارۂ کار نہیں ہے۔ اب اگر اس ایک چارۂ کار پر بھی ایسی پابندیاں عائد کردی جائیں جن کی وجہ سے اکثر و بیشتر حالات میں اس کے لیے مخلصی کی کوئی صورت باقی ہی نہ رہے تو یہ اس عدل اور توازن کے خلاف ہوگا جو اسلامی قانون کی خصوصیات میں سے ہے۔ ایسے تمام معاملات میں قرآن مجید کی وہ آیات ہمارے لیے دلیل راہ ہونی چاہئیں جن میں فرمایا گیا ہے کہ نکاح میں معاشرت بالمعروف ہونی چاہیے، عورت کو مرد کے نکاح میں رکھا جائے تو اس طرح کہ اس میں ضرار اور تعدی نہ ہو، اور حدود اللہ ٹوٹنے کا خوف نہ ہو۔ اگر کسی ازدواجی تعلق میں یہ لازمی شرطیں پوری نہ ہوں تو تسریح باحسان کے قاعدہ پر عمل ہونا چاہیے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ ایک پاگل، یا آتشک زدہ، یا جذامی، یا مبروص شوہر کے ساتھ بجبر واکراہ بندھے رہنے سے بڑھ کر کسی عورت کے لیے ضرار اور تعدی کی کوئی دوسری صورت بھی ہوسکتی ہے؟ اور کون نہیں سمجھ سکتا کہ جو عورت اس حالت میں بجبر رکھی گئی ہو اس کے لیے حدود اللہ سے تجاوز کرنے کے کس قدر مواقع عملی زندگی میں پیدا ہوسکتے ہیں، اور ان مواقع سے بچنا ایک اوسط درجہ کی عورت کے لیے کس قدر دشوار ہے؟

مفقود الخبر مفقود الخبر کے متعلق قرآن مجید میں کوئی صریح حکم نہیں ہے۔ احادیث میں بھی کوئی معتبر حکم نہیں۔ دارقطنی نے اپنی سنن میں ایک حدیث نقل کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:۔

قَال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اَمرَأۃُ المفقود امرأتہ حتّٰی یاتیھا البیان۔ حضور نے فرمایا کہ مفقود کی بیوی اسی کی بیوی ہے جب تک کہ اس کا حال معلوم نہ ہوجائے۔

لیکن یہ حدیث سوار بن مصعب اور محمد بن شرجیل ہمدانی کے واسطہ سے پہنچی ہے جو

مجروح ہیں۔ ابن شرجیل کے متعلق ابن ابی حاتم نے لکھا ہے کہ انہ یروی عن المغیرۃ مناکیر اباطیل۔ اور سوار بن مصعب کے متعلق ابن القطان نے لکھا ہے کہ وہ متروکین میں ابن شرجیل سے زیادہ مشہور ہے۔ پس یہ حدیث ضعیف ناقابل احتجاج ہے۔ علاوہ بریں مفقود کے مسئلہ میں حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت عبداللہؓ بن مسعودؓ، حضرت عبداللہؓ بن عمر جیسے اکابر صحابہ کی آرا میں جو اختلاف ہوا ہے وہ اس بات پر دلیل ہے کہ ان حضرات میں سے کسی کو اس حدیث کا علم نہ تھا، اور نہ ان کے عہد میں کسی صحابی کو اس کی خبر تھی، کیونکہ اگر صحابہ میں سے کوئی بھی اس حدیث سے واقف ہوتا تو وہ ان حضرات کے سامنے اسے پیش کر کے اختلاف کو ختم کر دیتا۔ محمدؐ بن شرجیل اس حدیث کو مغیرہ بن شعبہ سے روایت کرتے ہیں جو حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے عہد کی نہایت نمایاں شخصیتوں میں سے ہیں اور گورنری کے اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے ہیں۔ کیونکر ممکن ہے کہ ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث معلوم ہوتی اور وہ حضرت عمر و عثمان رضی اللہ عنہما کو اس کے خلاف فیصلہ کرنے دیتے۔ ان وجوہ سے یہ سمجھنا چاہیے کہ مفقود کے بارے میں کوئی حکم منصوص نہیں ہے۔ بلکہ اس کا تعلق کلیۃً اہل علم کے اجتہاد سے ہے۔

صحابہ اور تابعین اور ائمۂ مجتہدین کی آراء اس مسئلہ میں مختلف ہیں حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ حضرت ابن عمرؓ، اور حضرت ابن عباس کی رائے یہ ہے کہ مفقود کی بیوی کو چار سال تک انتظار کا حکم دیا جائے۔ یہی رائے سعید بن المسیب، زہری نخعی، عطا، مکحول، اور شعبی کی ہے۔ امام مالک نے بھی اسی مذہب کو اختیار کیا ہے اور امام احمد کا میلان بھی اسی کی طرف ہے۔ دوسری جانب حضرت علیؓ اور ابن مسعودؓ ہیں جن کی رائے یہ ہے کہ مفقود الخبر کی بیوی کو اس وقت تک صبر کرنا چاہیے جب تک کہ وہ واپس نہ آئے یا اس کی موت کی تحقیق نہ ہو جائے۔

سفیان ثوری، امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہم اللہ نے اسی مذہب کو اختیار کیا ہے۔ انتظار کے لیے حنفیہ یہ قاعدہ تجویز کرتے ہیں کہ جب تک شخص مفقود کے ہم عمر لوگ اس کی بستی یا اس کے ملک میں زندہ ہوں اس وقت تک اس کی بیوی انتظار کرے۔ بعض بزرگوں نے انسان کی زیادہ سے زیادہ عمر کا اعتبار کیا ہے۔ یعنی ایک انسان زیادہ سے زیادہ جس عمر تک پہنچ سکتا ہو تو ہے اس عمر تک مفقود کے پہنچنے کا انتظار کیا جائے مثلاً اگر کوئی شخص ۳۰ سال کی عمر میں مفقود ہوا اس کی بیوی کو بقول بعض ۹۰ سال اور بقول بعض ۷۰ سال اور بقول بعض ۶۰ سال اور بقول بعض ۵۰ یا کم سے کم ۴۰ سال انتظار کرنا پڑے گا، کیونکہ بعض کے نزدیک انسان کی عمر طبعی ۱۲۰ سال ہے اور بعض ۱۰۰ یا ۹۰ یا ۸۰ یا ۷۰ قرار دیتے ہیں۔

اس مسئلہ میں جب ہم قرآن مجید کے اصولی احکام کی طرف رجوع کرتے ہیں تو حضرت عمرؓ اور ان کے متبعین کا مذہب ہم کو صحیح معلوم ہوتا ہے اور وہی اسلامی قانون کی روح اور اس کے عدل اور اس کے توازن اور اس کی فطرت کے مطابقت رکھتا ہے۔ قرآن میں ہم دیکھتے ہیں کہ چار بیویوں کی اجازت دینے کے ساتھ یہ حکم دیا گیا ہے کہ فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ۔ (ایک بیوی کی طرف بالکل اس طرح نہ جھک جاؤ کہ دوسری بیوی کو معلق چھوڑ دو) اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کسی عورت کو معلق چھوڑ دینا پسند نہیں کرتا۔ اور جب وہ شوہر کی موجودگی میں اس کو ناپسند کرتا ہے تو اس کے مفقود ہونے کی صورت میں کیونکر پسند کر سکتا ہے۔ دوسری جگہ شوہروں کو حکم دیا جاتا ہے کہ اگر تم اپنی بیویوں سے ایلاء کرو تو زیادہ سے زیادہ چار مہینے تک ایسا کر سکتے ہو اس کے بعد تم کو طلاق دینا ہوگا۔ یہاں پھر اسلامی قانون کی اسپرٹ یہ معلوم ہوتی ہے کہ کوئی عورت اپنے شوہر کی صحبت سے اتنی مدت تک محروم نہ رکھی جائے کہ اس کے لیے موجب ضرر ہو یا حدود اللہ سے تجاوز کا سبب۔۔

بن جائے۔ پھر وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا فرمایا گیا جس کا منشا صاف طور پر یہ ہے کہ رشتۂ ازدواج میں ضرار نہ ہونا چاہیے، اور یہ ظاہر ہے کہ مفقود الخبر کی بیوی کو مدت العمر انتظار کا حکم دینے میں انتہا درجہ کا ضرار ہے۔ اس کے ساتھ وہ آیت بھی قابلِ غور ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ اگر حدود اللہ کے ٹوٹنے کا خوف ہو تو خلع میں کچھ مضایقہ نہیں۔ یہاں حدود اللہ کی حفاظت کو رشتۂ ازدواج کے قیام پر مقدم رکھا گیا ہے، اور اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ جس عورت کا شوہر برسوں سے مفقود ہو اس کے لیے حدود اللہ پر قائم رہنا نہایت مشکل ہے۔ ان تمام احکام کے اصول اور ان کے مصالح اور ان کی حکمت پر غور کرنے سے یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آجاتی ہے کہ مفقود الخبر کی بیوی کو ایک غیر معلوم مدت تک انتظار کا حکم دینا اور اس کو معلق رکھ چھوڑنا درست نہیں ہے۔

مذہب مالکی کے احکام علماء احناف نے انہی وجوہ سے مفقود الخبر کے مسئلہ میں مذہب مالکی کے حکم کے مطابق فتویٰ دینا پسند کیا ہے۔ لہٰذا اب ہم کو دیکھنا چاہیے کہ اس باب میں مالکیہ نے تفصیلی احکام کیا ہیں۔

مذہب مالکی کے لحاظ سے فقدان زوج کی تین صورتیں ہیں، اور ہر ایک کے احکام جدا جدا ہیں۔

(۱) مفقود نے اپنے پیچھے اتنا مال نہ چھوڑا ہو کہ اس کی بیوی گذر بسر کر سکے۔ اس صورت میں حاکم اس کو انتظار کا حکم نہیں دیگا بلکہ تحقیق حال کے بعد بلا انتظار اس کو باختیار خود طلاق دیدے گا یا اسے اجازت دے گا کہ اپنے اوپر طلاق وارد کرلے۔[۱] شافعی اور حنبلی مذاہب بھی اس مسئلہ

---

[۱] تطلیق کے لیے حاکم کے بطور خود طلاق دینے سے زیادہ بہتر یہ ہے کہ وہ عورت کو خود اپنے اوپر طلاق وارد کرنے کی اجازت دے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بریرہ سے فرمایا تھا کہ انت املك بنفسك ان شئت اقمت مع زوجك وان شئت فارقتیه۔ (یعنی تجھے اپنے نفس کا اختیار ہے خواہ اپنے شوہر کے ساتھ رہے یا اس سے جدا ہو جائے)

میں مالکی مذہب کی تائید کرتے ہیں، کیونکہ ان کے نزدیک عدم نفقہ بجائے خود تفریق کے لیے کافی وجہ ہے۔

(۲) مفقود نے مال تو چھوڑا ہے، مگر عورت جوان ہے اور اس کو کسی طویل مدت کے لیے معلق رکھ چھوڑنے میں اس کے مبتلائے معصیت ہو جانے کا خوف ہے۔ ایسی صورت میں حاکم اس کو ایک سال یا چھ مہینے یا جس قدر مدت مناسب سمجھے، انتظار کرنے کا حکم دیگا۔ اس باب میں حنبلی مذہب بھی مالکی مذہب کا ہم نوا ہے۔ بلکہ بعض شدید صورتوں میں حنابلہ اور مالکیہ نے بلا انتظار بھی تفریق کو جائز رکھا ہے نیز خوف معصیّت کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ مدعیہ خود منہ پھوڑ کر کہدے کہ مجھے اس شوہر کی قید نکاح سے آزاد کرو ورنہ میں زنا کروں گی۔ بلکہ یہ دیکھنا خود قاضی کا کام ہے کہ جو عورت فقدان زوج کی شکایت لے کر آئی ہے اس کی عمر کیا ہے، کس ماحول میں رہتی ہے، اور دعویٰ کرنے سے پہلے کس قدر مدت شوہر کے انتظار میں گذار چکی ہے۔ ان چیزوں پر نظر کرنے سے وہ خود رائے قائم کرسکتا ہے کہ اس کے اخلاق کی حفاظت کے لیے اُسے مدّت انتظار میں کس قدر تخفیف کرنی چاہیے۔

(۳) مفقود نفقہ بھی چھوڑ گیا ہے اور عورت کے مبتلائے معصیت ہونے کا خوف بھی نہیں ہے اس صورت میں پھر چار شقیں پیدا ہوتی ہیں۔

الف۔ اگر مفقود بلاد اسلام میں یا ایسے ممالک میں کھویا گیا ہے جن سے مہذب دنیا کے تعلقات ہیں اور جہاں اس کا پتہ چلانا ممکن ہے، تو اس کی عورت کو چار سال تک انتظار کرنے کا حکم دیا جائیگا۔

ب۔ اگر وہ میدان جنگ میں کھویا گیا ہے تو اس کی تلاش کی امکانی کوشش کرنے کے بعد ایک سال انتظار کیا جائے گا۔

ج۔ اگر وہ کسی اندرونی فساد کے سلسلہ میں کھویا گیا ہے تو فساد ختم ہونے کے بعد اس کی تلاش کے لیے امکانی کوشش کی جائے گی پھر بلا انتظار اس کی بیوی کو عدت وفات گذارنے کی اجازت دیدی جائے گی۔

د۔ اگر وہ ایسے وحشی ممالک میں کھویا گیا ہے جن سے مہذب دنیا کے تعلقات نہیں ہیں، اور جہاں اس کے تلاش کرنے کا امکان نہیں ہے، تو اس کی بیوی کو مدت تعمیر گذرنے تک انتظار کرنا ہوگا۔ مدت تعمیر کی تعیین میں اختلاف ہے بعض ۷۰ سال کہتے ہیں، بعض ۸۰ سال اور بعض ۷۵ سال لیکن جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں، یہ اسی صورت میں ہوگا جب کہ وہ کافی نفقہ چھوڑ گیا ہو، اور عورت کے مبتلائے معصیت ہونے کا بھی خوف نہ ہو۔

علماء احناف عموماً اپنے فتاویٰ میں مذہب مالکی کی ان شرائط کو نظر انداز کر جاتے ہیں اور فقدان زوج کی تمام صورتوں میں چار سال کی مدت انتظار کا فتویٰ دیتے ہیں۔ لیکن یہ درست نہیں ہے خصوصاً موجودہ زمانہ میں جب کہ اخلاقی حالات کو بگاڑنے کے بکثرت اسباب پیدا ہو گئے ہیں ہر فاقد الزوج عورت کے لیے چار سال کی مدت انتظار پر اصرار کرنا مصالح شرعیہ کے بالکل خلاف ہے۔ آج اسلامی سوسائٹی میں وہ زبردست اخلاقی ڈسپلن باقی نہیں رہا ہے جو اسلام کے ابتدائی دور میں تھا، غیر اسلامی قوانین کے رواج نے ان تمام بندشوں سے انسان کو آزاد کر دیا ہے جو شہوات نفس کو قابو میں رکھنے کے لیے اسلام نے قائم کی تھیں، سینما، عریاں تصاویر، عشقیہ ناولوں اور قصوں کے رواج عام اور عورتوں اور مردوں کے آزادانہ میل جول نے جذبات کو متحرک کرنے کے اتنے سامان پیدا کر دیے ہیں کہ کسی شخص کے لیے ضبط نفس اور پرہیزگاری کے ساتھ زندگی بسر کرنا بہت دشوار ہو گیا ہے۔ ایسے حالات میں یہ کہاں تک مناسب ہوگا کہ ایک جوان عورت جب اپنے مفقود الخبر شوہر کی واپسی کا دو تین سال انتظار کرنے کے بعد عاجز آ کر عدالت

میں رجوع کرے تو عدالت اس کو مزید چار سال انتظار کرنے کا حکم دے۔ یہ ایسی سختی ہے جس میں صرف عورتوں ہی کے لیے ضرر نہیں ہے، بلکہ اس کے مضر نتائج تمام قوم میں پھیل جانے کا خوف ہے۔

لہذا ہماری تجویز یہ ہے کہ قانون میں مفقود والخبر کے متعلق مذہب مالکی کی تمام شرائط کو شامل کیا جائے اور اجراء احکام میں فاقد الزوج عورت کی عمر اس کے ماحول اور اس مدت کا مناسب لحاظ کیا جائے جس کو حالت انتظار میں گذارنے کے بعد اس نے عدالت کی طرف رجوع کیا ہو۔

حکم بصورت واپسی مفقود اس سلسلہ میں یہ سوال بھی بحث طلب ہے کہ اگر شوہر مفقود، مدت انتظار کے ختم ہونے کے بعد واپس آئے تو اس کا کیا حکم ہے۔ حضرت عمر کا فیصلہ یہ ہے کہ اگر عورت کے نکاح ثانی سے پہلے اس کا شوہر واپس آگیا تو وہ اسی کو ملے گی، لیکن اگر عورت نکاح کر چکی ہے تو خواہ شوہر ثانی کے ساتھ خلوت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو، دونوں صورتوں میں شوہر اول کا اس پر کوئی حق نہ رہا۔ امام مالک نے موطا میں حضرت عمر کے اسی قول سے استناد کیا ہے اور یہی مذہب مالکی کا مفتیٰ بہ ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فیصلہ یہ ہے کہ عورت ہر حال میں پہلے شوہر کو واپس ملے گی خواہ دوسرے شوہر سے خلوت ہو چکی ہو اور بچے تک پیدا ہو گئے ہوں۔ مزید براں خلوت ہو چکنے کی صورت میں دوسرے شوہر سے اس عورت کو مہر بھی دلایا جائے گا۔ حنفیہ نے اسی مذہب کو اختیار کیا ہے، اور وہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر نے بھی آخر میں حضرت علی کے اس فیصلہ کی طرف رجوع کر لیا تھا۔ لیکن امام مالک کے نزدیک حضرت عمر کا رجوع ثابت نہیں ہے۔ (ملاحظہ ہو موطا باب عدۃ التی تفقد زوجھا۔ اور المغنی لابن قدامہ۔)

حضرت عثمان کا فیصلہ یہ ہے کہ اگر عورت نکاح ثانی کر چکی ہو، پھر شوہر اول واپس آجائے تو اس سے دریافت کیا جائے گا کہ تجھے بیوی چاہیے یا مہر؟ اگر اس نے مہر واپس لینے (یا معاف کرا لینے

کو پسند کیا تو عورت شوہر ثانی کے پاس چھوڑ دی جائے گی۔ اور اگر وہ بیوی کو واپس لینے پر اصرار کرے تو عورت کو اپنے دوسرے شوہر سے جدا ہو کر عدت طلاق گذارنی ہو گی پھر وہ پہلے شوہر کے حوالہ کر دی جائے گی۔ اور دوسرے شوہر سے اس کو مہر دلایا جائے گا۔ بعض روایات میں حضرت عمرؓ سے بھی اسی طرح کا ایک قول منقول ہے لیکن امام مالک کے نزدیک یہ ثابت نہیں ہے۔

ہمارے نزدیک ان تینوں فیصلوں میں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ احسن ہے۔ اس لیے کہ اگر نکاح ثانی ہو جانے کے بعد بھی شوہر اول کا حق عورت پر قائم رہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ کوئی شخص ایسی عورت سے نکاح کرنا پسند نہ کرے گا جس کے متعلق اس کو ہمیشہ یہ کھٹکا لگا ہوا ہو کہ نہ معلوم کب اس کا پہلا شوہر واپس آجائے، اور نہ صرف عورت اس سے چھن جائے، بلکہ اس کو مہر بھی دینا پڑے۔ اور بچے ہو جانے کی صورت میں اس کی اولاد الگ برباد ہو۔ اس قسم کی شرط عائد کرنے میں عورت کے لیے نہایت درجہ کا ضرر ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ایک طویل اور تھکا دینے والی مدتِ انتظار گذار کر بھی اس کی مصیبت ختم نہ ہو، عدالت سے آزادی کا پروانہ حاصل کرنے کے بعد بھی اس کے پاؤں میں ایک زنجیر پڑی رہے اور اس کو ساری عمر معلق حالت ہی میں رہ کر گذارنی پڑے۔

لعان لعان کے متعلق قرآن مجید کا حکم پہلے بیان ہو چکا ہے یہاں اس کے تفصیلی احکام بیان کیے جاتے ہیں۔

شوہر خواہ اپنی بیوی پر بالفاظ صریح زنا کا الزام لگائے یا اولاد کے متعلق کہے کہ وہ اس کی نہیں ہے دونوں صورتوں میں لعان واجب آتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک ایسا مقدمہ پیش ہوا تو آپ نے فریقین کو مخاطب کر کے تین مرتبہ فرمایا۔ اللہ اعلم ان احد کما کاذب فہل منکما من تائب۔ "اللہ خوب جانتا ہے کہ تم دونوں میں سے ایک جھوٹا ہے، پھر کیا تم میں سے

کوئی توبہ کرے گا؟" جب دونوں نے توبہ سے اعراض کیا تو آپ نے قرآن مجید کی ہدایت کے مطابق پہلے شوہر سے چار قسمیں اس بات پر لیں کہ جو الزام اس نے لگایا ہے وہ صحیح ہے اور پانچویں مرتبہ اس سے یہ کہلوایا کہ اگر وہ جھوٹا ہو تو اس پر خدا کی لعنت۔ پھر اسی طرح چار قسمیں عورت سے لیں کہ جو الزام اس پر لگایا گیا ہے وہ غلط ہے اور پانچویں مرتبہ اس سے کہلوایا کہ اگر یہ الزام صحیح ہو تو اس پر خدا کی لعنت۔ اس کے بعد حضور نے فرمایا ذاکم التفریق بین کل متلاعنین الی یوم القیمۃ۔ اذا تفرقا لا یجتمعان ابدًا۔" یہ ہر لعان کرنے والے زوجین کے درمیان قیامت تک کے لیے تفریق ہے اس تفریق کے بعد وہ کبھی جمع نہیں ہو سکتے"۔ شوہر نے عرض کیا کہ جو مال میں نے اس کو مہر میں دیا تھا وہ واپس دلوایا جائے۔ آپ نے جواب دیا لا مال لك۔ ان كنت صدقت عليها فبما استحللت من فرجها وان كنت كذبت عليها فذلك ابعد لك منها۔ "مال مجھے نہیں مل سکتا۔ اگر تو نے سچا الزام لگایا ہے تو یہ مال اس تمتع کا معاوضہ ہے جو تو اس اٹھا چکا ہے۔ اور اگر تو نے اس پر جھوٹی تہمت لگائی ہے تو مال کی واپسی کا استحقاق تجھ سے اور بھی زیادہ دور ہو گیا"۔

حضور کے اس فیصلہ سے حسب ذیل احکام نکلتے ہیں:۔

(۱) لعان قاضی کے سامنے ہونا چاہیئے۔ عورت اور مرد آپس میں یا اپنے رشتہ داروں کے سامنے لعان نہیں کر سکتے، نہ ایسے لعان سے تفریق ہو سکتی ہے۔

(۲) لعان سے پہلے قاضی عورت اور مرد دونوں کو موقع دے گا کہ ان میں سے کوئی ایک قصور کا اعتراف کرلے جب دونوں اپنی اپنی بات پر اصرار کریں تب لعان کرایا جائیگا۔

(۳) فریقین کی طرف سے لعان کا فعل تمام ہونے کے بعد قاضی اعلان کریگا کہ ان کے درمیان تفریق کردی گئی۔ جمہور کا خیال ہے کہ لعان سے خود بخود فرقت واقع ہو جاتی ہے لیکن امام ابو حنیفہ کی

رائے یہ ہے کہ تفریق کے لیے حکم حاکم ضروری ہے۔ تمام معتبر احادیث جو اس مسئلہ میں ہم کو پہنچی ہیں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی تائید کرتی ہیں کیونکہ ہر ایسے مقدمہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لعان کا فعل پورا ہونے کے بعد تفریق کا فیصلہ صادر فرمایا ہے، اور محض ملاعنت کو فرقت کے لیے کافی قرار نہیں دیا ہے۔

(۴) لعان سے جو تفریق کی جاتی ہے وہ ابدی ہے۔ اس کے بعد فریقین اگر دوبارہ نکاح کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے۔ اس معاملہ میں تحلیل کا وہ قانون جاری نہیں ہوتا جو حَتّٰی تَنْکِحَ زَوْجًا غَیْرَہٗ میں بیان کیا گیا ہے۔

(۵) لعان سے مہر ساقط نہیں ہوتا۔ خواہ شوہر کا الزام حقیقت میں صحیح ہو یا غلط، ہر صورت مہر اس کو دینا پڑے گا۔ یا اگر دے چکا ہے تو اس کو واپس مانگنے کا حق نہیں ہے۔

اگر عورت پر الزام لگانے کے بعد شوہر لعان کرنے سے انکار کرے تو جمہور کی رائے میں اس پر حد قذف جاری کی جائے گی، اور امام ابوحنیفہ کی رائے میں وہ حد کا نہیں بلکہ قید کا سزاوار ہوگا اسی طرح اگر شوہر کے لعان کر چکنے کے بعد عورت لعان سے انکار کرے تو شافعی مالک اور احمد رحمہم اللہ کی رائے یہ ہے کہ اس کو رجم کیا جائے گا اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ اس کو قید کیا جائے گا۔ اس باب میں امام اعظم کا مذہب زیادہ صحیح اور مبنی بر مصلحت ہے لیکن ہندوستان کے ملکی قانون میں اس کی گنجایش نہیں ہے کہ لعان سے انکار کرنے کو جرم مستلزم سزا قرار دیا جائے، اس لیے قانون ازدواج کی تدوین جدید میں اس کے لیے مناسب شکل یہ ہوگی کہ اگر مرد لعان سے انکار کرے تو عورت کو اس پر ازالۂ حیثیت عرفی کا دعویٰ کرنے کا حق دیا جائے، اور اگر عورت انکار کرے تو اُسے مہر سے محروم کر دیا جائے۔

تطلیقات ثلثہ در مجلس واحد | بیک وقت تین طلاق دے کر عورت کو جدا کر دینا نصوص صریحہ کی بنا پر معصیت ہے۔ علماء امت کے درمیان اس مسئلہ میں جو کچھ اختلاف ہے وہ صرف اس امر میں ہے کہ

ایسی تین طلاقیں ایک طلاق رجعی کے حکم میں ہیں یا تین طلاق بائن کے حکم میں لیکن اس کے بدعت اور معصیت ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں۔ سب تسلیم کرتے ہیں کہ یہ فعل اس طریقہ کے خلاف ہے جو اللہ اور اس کے رسول نے طلاق کے لیے مقرر فرمایا ہے اور اس سے شریعت کی اہم مصلحتیں فوت ہو جاتی ہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو بیک وقت تین طلاقیں دیں تو حضور غصہ میں آکر کھڑے ہو گئے اور فرمایا اَیُلعَب بکتاب اللہ عزّ وجلّ وانا بین اظھرکم کیا اللہ عزّ وجل کی کتاب سے کھیل کیا جاتا ہے، حالانکہ ابھی میں تمہارے درمیان موجود ہوں؟ بعض دوسری احادیث میں تصریح ہے کہ حضور نے اس فعل کو معصیت فرمایا ہے، اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کے متعلق تو روایات میں یہاں تک آیا ہے کہ جو شخص ان کے پاس مجلس واحد میں تین طلاق دینے والا آتا تو وہ اس کو دُرّے لگاتے تھے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے اس فعل پر سزا بھی دی جا سکتی ہے۔

ہمارے زمانہ میں یہ طریقہ عام ہو گیا ہے۔ لوگ کسی فوری جذبہ کے تحت اپنی بیویوں کو تین طلاقیں دے دیتے ہیں، پھر نادم ہوتے ہیں اور شرعی حیلے تلاش کرتے پھرتے ہیں۔ کوئی جھوٹی قسمیں کھا کر طلاق سے انکار کرتا ہے، کوئی حلالہ کرانے کی کوشش کرتا ہے، اور کوئی طلاق کو مخفی رکھ کر اپنی بیوی کے ساتھ بدستور سابق تعلقات باقی رکھتا ہے۔ اس طرح ایک گناہ کے نقصان سے بچنے کے لیے متعدد دوسرے گناہوں کا ارتکاب کیا جاتا ہے۔ ان خرابیوں کا سد باب کرنے کے لیے ضروری ہے کہ تطلیقات ثلثہ در مجلس واحد پر ایسی پابندیاں عائد کر دی جائیں جن کی وجہ سے لوگ اس فعل کا ارتکاب نہ کر سکیں۔ مثال کے طور پر اس کی ایک صورت یہ ہے کہ مطلقہ عورت کو جسے بیک وقت تین طلاقیں دی گئی ہوں، عدالت میں ہرجانہ کا دعویٰ کرنے کا حق دیا جائے، اور ہرجانہ کی مقدار کم از کم مہر کی نصف مقدار تک مقرر کی جائے۔ اس کے علاوہ اور صورتیں بھی روک تھام کی نکل سکتی ہیں جن کو ہمارے علماء اور ماہرین قانون غور و خوض کے بعد تجویز کر سکتے ہیں۔

خاتمہ کلام | اس مضمون میں اسلامی قانون ازدواج کے مقاصد اور اصول کو تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے، اور کتاب و سنت کی تعلیمات کو پیش نظر رکھ کر اُن مسائل کو حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جو آج کل مسلمانانِ ہند کی ازدواجی زندگی میں مشکلات اور پیچیدگیاں پیدا کر رہے ہیں۔ ہم کو یہ دعویٰ نہیں کہ جو کچھ ہم نے اسلام کے قانون کو سمجھا ہے وہ بالکلیہ صحیح ہے، نہ ہم کو اس پر اصرار ہے کہ حل مشکلات کے لیے جو تجویزیں ہم نے پیش کی ہیں ان کو بعینہ قبول کر لیا جائے۔ انسانی رائے میں بہرحال خطا و صواب دونوں کا امکان ہے، اور کسی انسانی رائے کے متعلق یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ وہ خطا سے پاک اور وحی خداوندی کی طرح واجب الاطاعت ہے۔ ہمارا مقصد اس طویل بحث و تحقیق سے صرف اس قدر تھا کہ قرآن مجید اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسلامی قانون ازدواج کے جو اصول ہم نے سمجھے ہیں ان کو بیان کر دیں، اور پھر ان اصول سے اکابر صحابہ و ائمہ مجتہدین نے جو فروع مستنبط کیے ہیں ان پر نظر ڈال کر ایسے فروع اخذ کر لیں جو ہمارے نزدیک اس زمانے کی ضروریات کے لحاظ سے مفید اور مناسب ہیں۔ اب یہ اہل علم اور اصحاب فکر و رائے کا کام ہے کہ وسعت نظر اور تدبر فی الکتاب والسنہ سے کام لے کر ہماری ان تجاویز پر غور کریں۔ اگر اس میں کچھ خطا پائیں تو اس کی اصلاح کر دیں اور اگر کوئی چیز صواب نظر آئے تو اس کو محض اس بنا پر رد نہ کر دیں کہ لکھنے والا بدقسمتی سے چوتھی صدی کے بجائے چودھویں صدی میں پیدا ہوا ہے۔

آخر میں ہم ان مسودات قانون کے متعلق بھی مجملاً اپنی رائے ظاہر کر دینا چاہتے ہیں جو اس سلسلہ میں حیدرآباد اور برطانوی ہند کے بعض حضرات نے مرتب کیے ہیں۔ ہمارے نزدیک یہ سب مسودے تشنہ اور ضروریات زمانہ کے لحاظ سے غیر مکتفی ہیں۔ اس قسم کے مختصر مسودات سے ان خرابیوں کو دور نہیں کیا جا سکتا جو اینگلو محمڈن لا کے نقائص، اور غیر مسلم عدالتوں کے صد سالہ نظائر اور موجودہ عدالتی نظام کے طریق کار سے پیدا ہو گئی ہیں۔ اگر چند خاص معاملات میں یہ طے کر دیا گیا کہ فقہ حنفی کے

بجائے فقہ مالکی کے مطابق فیصلہ کیا جائے۔ یا بعض مسائل میں جزئیات کی مختصر تشریح بھی کر دی گئی، تو اس سے وہ حکام عدالت کوئی صحیح فیصلہ کرنے کے قابل نہ ہو سکیں گے جو قوانین شریعت اور مذاہب فقہیہ کے جزئیات پر کوئی وسیع نظر نہیں رکھتے، اور جن کے دماغوں پر وہی انگلو محمڈن لا کی اسپرٹ مسلط ہے اس بگڑی ہوی حالات کو درست کرنے کے لئے ضروری ہے کہ خاص کر ازدواجی معاملات کیلئے ایک مفصل ضابطہ مرتب کیا جائے جیسا کہ ہم اس سلسلۂ مضامین کے نمبر ۲ میں عرض کر چکے ہیں یہ کام آسان نہیں ہے۔ وقت اور محنت چاہتا ہے، اور ایک شخص کے بس کا بھی نہیں۔ اس کے لیے اصحاب علم و رائے کی ایک منتخب جماعت کو ایک کافی مدت تک سر جوڑ کر بیٹھنا چاہیے، اور یہ سمجھ کر کام کرنا چاہیے کہ وہ محض متقدمین کی کتابوں سے جزئیات کو لفظ بلفظ نقل کر کے اپنی ذمہ داریوں سے سبکدوش نہیں ہو سکتے، بلکہ قوم کے ارباب حل و عقد ہونے کی حیثیت سے ان کا فرض ہے کہ قوانین شریعت کی ایسی تعبیر کریں جس سے شریعت کے اصلی مقاصد پورے ہوں اور قوم کے دین، اخلاق اور معاملات کی حفاظت کا ٹھیک ٹھیک حق ادا ہو جائے۔

بچوں کیلیے مفید کتابیں

ہمارے نبی کے صحابہ اس کتاب میں صحابہ کرام کی زندگی کے سبق آموز واقعات نہایت سلیس زبان اور دل نشین انداز بیان کے ساتھ جمع کیے گئے ہیں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحبت یافتہ بزرگوں کے اخلاق، دین داری حسن معاشرت اور نیک معاملات کا حال معلوم ہوتا ہے اور ان کے نقش قدم پر چلنے کا شوق پیدا ہوتا ہے قیمت ۶ عالی ۸ کلدار علاوہ محصول ڈاک

مسلمان بی بیاں یہ کتاب "ہمارے نبی کے صحابہ" کی طرح صحابیہ خواتین کے حالات پر مشتمل ہے جس میں ان مقدس ہستیوں کی دین داری حسن اخلاق اور خانگی زندگی میں ان کے نیک برتاؤ کے واقعات بیان کیے گئے ہیں مسلمان بچیوں کے لیے یہ کتاب شمع ہدایت ہے اور بہت سادہ زبان میں لکھی گئی ہے قیمت ۶ عالی ۸ کلدار علاوہ محصول ڈاک۔

دفتر ترجمان القرآن سے طلب کیجیے۔